ایک یادگار مناظرہ

شیخ نذیر حسین مدیر اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور

مامون الرشید کے زمانے میں یونانی فلسفے کی اشاعت ہوئی تو رویتِ باری تعالیٰ، مسئلہ تقدیر اور جبر و اختیار کے متعلق بحثیں ہونے لگیں، طرح طرح کی موشگافیاں کی جانے لگیں۔ اور اسلام کے عقائد و نظریات کو عقلی معیار پر پرکھا جانے لگا۔ عقلیت پسندوں کا یہ گروہ معتزلہ کہلاتا تھا۔ جب کہ ان کے بالمقابل اور حریف فقہاء و محدثین تھے۔ جو سلف کے مسلک کے قائل اور اسلام کو سادہ اور بے آمیز صورت میں پیش کرتے تھے۔ اس فکری انتشار کا نتیجہ قرآن مجید کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی نزاع ہی ظاہر ہوا۔ محدثین کرام اور فقہائے عظام جن کے قائد امام احمد بن حنبل رحمۃ تھے، خلقِ قرآن کے منکر اور اس کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے، جب کہ معتزلہ جن کو حکومتِ وقت کی تائید حاصل تھی، قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے۔ اس فتنے کا فکری سرغنہ قاضی احمد بن ابی داؤد تھا، جو مامون الرشید کا دینی مشیر اور مملکتِ اسلامیہ کا قاضی القضاۃ تھا۔ علمائے اہلِ سنّت کا موقف یہ تھا کہ اگر قرآن مخلوق مان لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اس جیسا دوسرا قرآن بھی پیش کیا جا سکتا ہے، جو صریحاً کفر ہوگا۔

حیرت یہ ہے کہ معتزلہ جو خود حریتِ فکر کے داعی اور عقل کی فرمانروائی کے قائل تھے۔ قرآن کو مخلوق منوانے کے لیے جبر و تشدد پر اتر آئے۔ علماء پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے، ان کو سرِ بازار ذلیل و رسوا کیا گیا۔ اور جن لوگوں نے قرآن مجید کو مخلوق ماننے سے انکار کر دیا انہیں

قید و بند اور کوڑوں کی سزائیں دی گئیں۔ بالآخر امام احمد بن حنبلؒ نے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس فتنے کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ جبر و تشدد اور ظلم و تعدی کی گرم بازاری مامون کے بعد معتصم اور واثق باللہ کے دورِ حکومت تک جاری رہی۔ اس زمانے میں علمائے اہلِ سنت نے معتزلہ سے مناظرے کیے۔ ان کی تردید میں کتابیں اور رسالے لکھے اور آخر میں اُن کو میدانِ کارزار سے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ذیل میں ایک تاریخی مناظرے کی روداد پیش کی جاتی ہے

ابن جوزی بہت سے راویوں کے حوالے سے صالح بن علی بن یعقوب الہاشمی کی زبانی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ میں (صالح بن علی) ایک دفعہ امیر المومنین المہتدیؒ[1] باللہ کے ہاں باریاب ہوا۔ میں نے دیکھا کہ دربارِ عام لگا ہوا ہے، لوگ اپنی تکلیفیں اور شکایتیں پیش کر رہے ہیں۔ امیر المومنین ان کی شکایتوں کو اوّل سے آخر تک نہایت ہمدردی و توجہ سے سُن رہے ہیں۔ ان کی عرضداشتوں پر اپنے ہمنشینوں اور کاتبوں سے مناسب احکام لکھوا رہے ہیں اور سرکاری اہل کار شاہی مُہر لگا کر سائلوں کو یہ درخواستیں واپس کر رہے ہیں۔

میں یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوا اور امیر المومنین کو تکنے لگا۔ وہ مجھ کو دیکھتے تو میں اپنی نظر نیچی کر لیتا۔ امیر المومنین اپنے کام میں لگ جاتے تو میں اُن کو پھر سے دیکھنے لگ جاتا۔ لیکن جونہی وہ نظریں اُٹھا کر دیکھتے میں آنکھیں بند کر لیتا۔ یہ قصہ کئی بار ہوا۔ آخر کار وہ میرے دل کی بات پا گئے۔ میں اُٹھنے لگا تو انہوں نے دربان کو حکم دیا کہ صالح کو روک لیا جائے۔

جب دربار برخواست ہو گیا اور لوگ چلے گئے تو امیر المومنین نے مجھے اپنے خاص کمرے میں بُلا بھیجا اور اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ تم اپنے دل کی بات کہو گے یا میں اپنا خیال ظاہر کروں۔ میں نے کہا آپ جیسا حکم دیں گے اس کی تعمیل کی جائے گی۔ کہنے لگے تو پھر میرے دل کی بات سُنو میرے دربار کا یہ منظر دیکھ کر تمہارے دل میں یہ خیال گزرا ہے کہ اگر امیر المومنین قرآن

---

[1] المہتدی باللہ (م ۲۵۶ھ)، خلیفہ واثق کا بیٹا اور خاندانِ عباسیہ کا چودھواں فرمانروا تھا۔ وہ نہایت متقی و پرہیزگار اور انصاف پسند تھا۔ اس کے دورِ حکومت نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد کی یاد تازہ کر دی تھی۔

کو مخلوق نہ سمجھتے تو کتنا اچھا ہوتا ۔ میں یہ سن کر شرم و حیا سے زمین میں گڑ گیا اور مجھ کو پسینہ آگیا میری یہ حالت دیکھ کر کہا کہ اب ایک سچا واقعہ سنو ۔

"میں (خلیفہ مہتدی) واثق[1] کے ابتدائی عہد حکومت تک قرآن کریم کو مخلوق سمجھتا رہا ۔ تا آنکہ ایک بزرگ نورانی صورت کو قید کر کے اور ہتھکڑی لگا کر شام سے لایا گیا ۔ یہ بزرگ نہایت شکیل و وجیہہ ، بلند قامت اور تنومند تھے ۔ ان کو دیکھ کر واثق کچھ شرما سا گیا ۔ خلیفہ نے اُن کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا کہ میں نے تمہیں قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد سے مناظرے کے لیے بلایا ہے ۔ اس بزرگ نے مختصر سے ردّ و کد اور ہچکچاہٹ کے بعد اس شرط پر مناظرہ کرنے کی دعوت قبول کر لی کہ امیر المومنین واثق بھی اس مناظرے میں موجود رہیں گے ۔

اب مناظرہ سنیے :

بزرگ : جناب قاضی صاحب ! مجھ کو یہ بتلائیے کہ قرآن کو مخلوق ماننا از رُوئے شریعت فرض ہے یا ضروری ہے ؟

قاضی : ہاں ہمارے عقیدے میں یہ بھی شامل ہے ۔

بزرگ : کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامِ شریعت میں کسی حکمِ خداوندی کو اُمتِ محمدیہ سے چھپا کر رکھا تھا ؟

قاضی : ہرگز نہیں ۔

بزرگ : کیا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں کو خلقِ قرآن کی طرف کبھی دعوت دی تھی ؟

قاضی صاحب گم سم بیٹھے رہے ۔

بزرگ : کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کبھی یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ قرآن کو مخلوق مانیں ؟

---

[1] الواثق باللہ (م ۲۳۲ھ) خاندانِ عباسیہ کا نواں خلیفہ تھا ، جس کے عہد میں محدثین نے بڑے مصائب برداشت کیے ۔

قاضی: نہیں

بزرگ: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قرآن کے مخلوق اور عدم مخلوق کا علم نہ تھا؟

قاضی: آپ کو اس مسئلے کا بخوبی علم تھا۔

بزرگ: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (میں نے آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا)۔ تو پھر آپ دین میں کیوں کمی بیشی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو دین کی تکمیل کی بشارت دی ہے اور آپ اس کو ناقص اور نامکمل سمجھ کر اس میں نئی نئی باتیں شامل کر رہے ہیں۔

قاضی صاحب ساکت اور خاموش رہے۔

بزرگ: کیا خلفائے راشدین میں سے کسی نے قرآن کریم کے مخلوق ماننے کا مسلمانوں سے اقرار لیا تھا؟

قاضی صاحب مُہر بلب رہے۔

اب خلیفہ واثق سے رہا نہ گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ اس بزرگ کی ہتھکڑی کھول دی جائے۔ ہتھکڑی کھول دی گئی تو اس بزرگ نے لپک کر اُسے داروغہ جیل سے چھین لیا۔ اور اپنی آستین میں رکھ لیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ ہتھکڑی لے کر کیا کرو گے؟ اس بزرگ نے جواب دیا کہ میں اپنے گھر والوں کو وصیت کر جاؤں گا کہ مرتے وقت یہ ہتھکڑی میرے کفن میں رکھ دی جائے۔ میں روزِ محشر اللہ کے ہاں فریاد کروں گا کہ اس ظالم نے مجھ کو کس جرم کی پاداش میں قید کیا۔ میرے اہل و عیال کو کیوں پریشان اور خوفزدہ کیا اور میرے دوست واحباب کو کیوں ہراساں کیا۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ رو پڑے اور خلیفہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

اب دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

خلیفہ: آپ ہمیں معاف کر دیں۔

سلہ قاضی احمد بن ابوداؤد (قاضی احمد ابن ابی دؤاد — ادارہ)

بزرگ: میں نے آپ کو حضرت عباسؓ کی اولاد سمجھتے ہوئے اور ان کا احترام واکرام کرتے ہوئے پہلے دن ہی معاف کر دیا تھا۔

خلیفہ: میری ایک حاجت ہے اسے پُورا کر دیں۔

بزرگ: میرے بس میں ہوگا تو میں آپ کے حکم کی تعمیل کر دوں گا۔

خلیفہ: آپ کچھ عرصے کے لیے ہمارے ہاں قیام کریں تاکہ ہم آپ سے استفادہ کرسکیں۔

بزرگ: آپ مجھ کو اہل وعیال میں واپس بھیج دیں کیوں کہ جب میں گھر سے چلا تھا تو وہ آپ کو بددُعا دے رہے تھے۔ اب میرے صحیح وسلامت پہنچنے پر وہ آپ کی جان ومال کو دُعائیں دیں گے۔

خلیفہ: آپ حکومت کی طرف سے کچھ عطیہ یا روزینہ قبول فرمالیں۔

بزرگ: میں گھر سے خوشحال ہوں۔ مزید برآں میرے ہاتھ پاؤں بھی ابھی تک صحیح وسالم ہیں۔ اس لیے مجھے کسی انعام واکرام کی ضرورت نہیں۔ میری آرزو صرف یہی ہے کہ آپ مجھ کو کسی سرحدی علاقے (بارڈر) میں قیام کرنے کی اجازت دے دیں[1]۔

خلیفہ: آپ وہاں بخوشی قیام کرسکتے ہیں۔

یہ سن کر وہ بزرگ سلام کر کے باہر چلے گئے۔

خلیفہ مہتدی فرماتے تھے کہ میں نے اس وقت سے قرآن مجید کو غیر مخلوق مان لیا اور شاید خلیفہ واثق نے بھی۔ (کتاب التوابین از موفق الدین بن قدامہ)

۱۔ علمائے سلف سرحدی مقامات پر جاکر عبادت اور ذکر و فکر کا اہتمام کیا کرتے تھے، کیوں کہ اس سے مُلکی سرحدوں کی پاسبانی ہوتی تھی، جہاد کا موقع ملتا تھا اور عبادت کا ثواب بھی۔ شام میں طرطوس اور افریقہ (تونس) میں مونستر اور سوسہ ایسے علاقے تھے جہاں سے مجاہدین رومی مقبوضات پر حملے کرتے رہتے تھے۔ (نذیر حسین)